کچھ حسن البنا کے بارے میں

ڈاکٹر استشہاد حسن البنا☆

● سوال: سب سے پہلے اپنا تفصیلی تعارف کروائیے۔

○ جواب: میں اپنی تاریخ پیدایش کبھی نہیں بھول سکتی کیونکہ ۱۲فروری ۱۹۴۹ء کو میرے والد کی شہادت ہوئی اور اسی سال ۲۸ ستمبر ۱۹۴۹ء کو میری پیدایش ہوئی۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۶۹ء کو میری والدہ محترمہ کی وفات ہوئی جب میری عمر صرف ۱۹ برس تھی۔ میں نے قاہرہ یونی ورسٹی سے بی کام کیا۔ پھر الازھر یونی ورسٹی سے ڈاکٹر عبدالعزیز حجازی کی زیرنگرانی ''اسلامی نقطۂ نظر سے اخراجات، سود اور قیمتوں کے درمیان تعلّق'' کے عنوان پر مقالہ لکھ کر ایم فل کی ڈگری حاصل کی اور اسی یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ میرے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان تھا ''شریعت اسلامی اور جدید فکر کی روشنی میں، افراطِ زر کا تقابلی مطالعہ''۔

ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حسنی مبارک کی حکومت نے میرے ذرائع آمدنی کو محدود کرنے کے لیے مجھے مصر کی یونی ورسٹیوں میں تدریس کا موقع نہ دیا۔لیکن میں سعودی عرب میں ملک سعود یونی ورسٹی میں اپنے تخصص کے میدان میں پڑھاتی رہی۔ حسنی مبارک کی حکومت کی طرف سے اسلام پسندوں پر عموماً اور ہمارے اوپر خصوصاً سخت سختیاں روا رکھی گئی تھیں، اس لیے میں نے اپنے خاندان کے ہمراہ ۳۲ سال سعودی عرب میں گزارے۔

میرے شوہر سرجری کے پروفیسر ہیں۔ میری تین بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ بڑی بیٹی نے

☆ ڈاکٹر استشہاد حسن البنا امام حسن البنا شہیدؒ کی بیٹی ہیں۔ ماہنامہ الزھور کو انٹرویو دیا گیا جس کا ترجمہ حاجی محمد نے کیا۔

ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے اور ماڈرن اکیڈمی میں ہیومن ڈویلپمنٹ کا مضمون پڑھاتی ہے۔ درمیان والی بیٹی نے کامرس میں ایم فل کیا۔ اس کے تین بچے ہیں اور وہ خاتون خانہ ہیں۔ چھوٹی بیٹی انجینیر ہے۔ اس نے قاہرہ یونی ورسٹی سے ایم فل کیا ہے۔ بڑا بیٹا محمد الیکٹریکل انجینیر ہے اور اس وقت حرم مکی کی ایک ورکشاپ میں کام کرتا ہے۔ چھوٹا بیٹا حسن البنا سویس شہر میں وکالت کرتا ہے، اور قانون میں ایم فل کا مقالہ لکھ رہا ہے۔

● آپ اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ آپ نے اپنے والدمحترم کے بارے میں بہت کچھ سنا ہو گا۔ اپنے والد محترم کے بارے میں اپنے گھر والوں کی کون سی باتیں آپ کو یاد ہیں؟

○ میں نے اپنی بہنوں اور اپنے بھائی سیف الاسلام سے والدمحترم کے بارے میں بہت سی باتیں سنی ہیں۔ میرے والدمحترم ایک شفیق باپ، بہترین شوہر اور خاندان کے ذمہ دار سرپرست تھے۔ وہ ہر چھوٹی بڑی بات پر غور کرتے تھے۔ گھر اور بچوں کی تمام ضروریات اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ میری امی کے بتانے سے پہلے ہی وہ گھر کی تمام ضروری اشیا لے آتے تھے ۔ میرے بھائی اور بہنوں کے تمام امور کی بہت باریک بینی سے نگرانی کرتے تھے۔ انھوں نے ہر ایک کی الگ فائل بنائی ہوئی تھی، جس میں ہر ایک کی صحت کی صورت حال درج ہوتی تھی، اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی بیماری کی تاریخ، اس کا مسلسل علاج اور اس کے لیے تجویز کی گئی دوائیاں درج ہوتی تھیں۔ اسی طرح اس فائل میں ہر ایک کی تعلیمی صورت حال ، تعلیمی اسناد اور ڈگریاں بھی درج ہوتی تھیں۔ اپنے بچوں کی تعلیمی صورت حال اور ہر ایک کی اچھی صفات اور کمزوریوں کا جائزہ لینے کے لیے وہ مسلسل اساتذہ سے ملاقاتیں کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح جس سکول میں بچے پڑھ رہے ہوتے اس کی انتظامیہ سے بھی رابطہ رکھتے تھے۔

● کیا آپ کے والد محترم کا بیٹیوں اور بیٹے کے ساتھ مختلف رویہ تھا؟

○ بالکل نہیں۔ میرے والدمحترم نے کبھی بھی اپنے بچوں میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ ان کے نزدیک سب برابر تھے۔ میں نے سنا ہے کہ جب میرے بھائی سیف الاسلام پیدا ہوئے تو انھوں نے میری امی کو عرب روایت کے مطابق بڑے بیٹے کی نسبت سے 'اُم سیف

الاسلام' پکارنے کے بجاے پہلے کی طرح 'اُم وفا' کہنے پر ہی اصرار کیا کیونکہ ہماری بہن 'وفا' بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ بچوں میں سے کسی نے بھی والد محترم کے رویے میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا۔ اس لیے سب ان کو خوش کرنے اور ان کے حکم کی تعمیل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ میں سمجھتی ہوں کہ بچوں کا اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی خوشنودی کی دلیل ہے۔ کچھ لوگ اگرچہ خود تو اپنے والدین کے فرماں بردار ہوتے ہیں لیکن ان کی اولاد نافرمان ہوتی ہے۔ یہ ایک بڑی آزمایش ہوتی ہے۔ اس پر صبر کرنا چاہیے اور دعا کرنی چاہیے۔

● آپ کی والدہ محترمہ دل کی مریضہ تھیں۔ اس صورت حال میں وہ آپ کے والد محترم کے دعوتی اور اصلاحی کام کی ذمہ داریوں میں کیسے ہاتھ بٹاتی تھیں؟

○ میری امی سمجھتی تھیں کہ میاں بیوی کی خوش حال اور پُرسکون زندگی کے لیے بیوی کا اپنے شوہر کے مشن پر یقین اور اس سے ہم آہنگ ہونا بہت ضروری ہے۔ وہ میرے والد محترم کے اجر و ثواب میں برابر کی شریک ہونا چاہتی تھیں۔ وہ میرے والد محترم کے ہر چھوٹے بڑے مہمان کا بخوشی استقبال کرتی تھیں۔ بیماری کے باوجود ان کے لیے ان کی پسند کا کھانا تیار کرتی تھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بہت زیادہ بھروسا رکھتی تھیں۔ امی جان ہر وقت، ہر حال میں خوش رہتی تھیں۔ ایک واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولے گا۔ ایک مرتبہ انھوں نے میرے بھائی سیف الاسلام کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے کچھ پیسے دے کر ماموں کے ساتھ بھیجا۔ کچھ دیر بعد سیف الاسلام بھائی بکرا خریدے بغیر خالی ہاتھ واپس آگئے اور امی جان کو بتایا کہ ایک شخص کو پیسوں کی سخت ضرورت تھی۔ اس پر کچھ قرض تھا، اگر وہ نہ دیتا تو اس بے چارے کو جیل میں جانا پڑتا، اس لیے سارے پیسے اسے دے دیے۔ اس موقع پر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ امی جان نے میرے بھائی کو ڈانٹنے کے بجاے مسکراتے ہوئے کہا کہ: ''بیٹا بہت اچھا کیا''۔ پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک ڈاکیہ حکومت کی طرف سے منی آرڈر لے کر آیا جس میں وہ اضافی پیسے واپس کیے گئے تھے جو ہم نے پائپ لائن بچھانے کے لیے حکومت کو ادا کیے تھے۔ یہ ایک بالکل عجیب بات تھی، کیونکہ حکومت لوگوں سے لیے ہوئے پیسے واپس نہیں کرتی تھی۔ لیکن یہ سراسر اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے

سر تسلیم خم کرنے کا ثمر تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ امی جانؒ ہمارے گھر میں کام کرنے والی خواتین کے ساتھ بھی بہت اچھا سلوک کرتی تھیں۔ انھیں گھر کے افراد ہی کی طرح سمجھتی تھیں۔ اگر بچوں میں سے کوئی کبھی کسی نوکرانی سے کوئی تلخ کلامی کر بیٹھتا تو امی جان ایک جملہ کہہ کر ڈانٹتیں۔ وہ کہا کرتی تھیں: ''ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو جن کا اللہ کے علاوہ کوئی نہیں''۔ اگرچہ امی جان زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں لیکن حلال اور حرام کے معاملے میں ہماری تربیت بالکل فطرت سلیمہ کے مطابق کرتی تھیں۔ انھوں نے ایک عالم دین کو ٹیوشن پڑھانے کے لیے رکھا ہوا تھا جو گھروں میں آکر بچوں کو فقہی معاملات اور اسلامی تعلیمات کا درس دیتے تھے۔

جب ہم ٹی وی دیکھ رہی ہوتیں تو امی جان ہمیں کہتیں: ''خبردار یہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کر دے''۔ بس اتنا کہہ کر چلی جاتیں لیکن ان کا یہ ایک جملہ تمام نصیحتوں سے بڑھ کر ہوتا تھا۔ ہم یا تو خود ہی ٹی وی بند کر دیتے یا کڑا دھیان رکھتے کہ کوئی خلاف شریعت بات نہ دیکھیں۔ یہ امی کا ایسا اسلوب تھا جو آج کل بڑی بڑی ڈگری والیوں کے ہاں بھی نہیں پایا جاتا۔

● امام حسن البنا شہیدؒ کا یہ امتیاز تھا کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلیتے تھے اور تمام گروہوں کے ساتھ چل سکتے تھے۔ اگرچہ وہ شہید ہوگئے ہیں لیکن ان کی سوچ ، فکراور ان کی تشکیل کردہ جماعت ابھی تک باقی ہے۔ ہمیں اب ان اقدار کی کتنی ضرورت ہے؟

○ آپ نے صحیح کہا۔ امام حسن البناؒ اس صدی کے مجددین میں سے تھے۔ وہ اسلامی فکر کو پھیلانے اور عوام الناس کے دلوں میں اتر جانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس لیے وہ عام مزدور سے لے کر فیکٹری کے مالک تک، محنت کش سے لے کر اہم سرکاری ملازمین تک اور کمسن طالب علموں سے لے کر یونی ورسٹی کے پروفیسر تک، غرض تمام لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان سب میں کہیں نہ کہیں خیر موجود ہے جس کو نمایاں کرنے اور صحیح سمت میں رہنمائی دینے کی ضرورت ہے۔ آج کے زمانے میں ہمیں اسی سوچ اور رویوں کو پروان چڑھانے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ ہمیں اپنے وطن عزیز کے مفاد کے لیے تمام گروہوں، طبقات اور تمام مخلص لوگوں کو ساتھ

لے کر چلنے کی ضرورت ہے۔

● کہتے ہیں کہ معاشیات کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور کوئی اقتصادی نظام اسلامی یا غیر اسلامی نہیں ہوتا۔ آپ کی کیا راے ہے؟

○ یہ بالکل غلط اور بہت خطرناک رجحان ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے دینی تعلیمات کو انسان کی معاشی زندگی سے الگ کرنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسا کہنے والوں سے میں کہتی ہوں کہ زندگی کی تمام مشکلات، مسائل اور اقتصادی بحرانوں کا بہترین حل قرآن وسنت اور فقہ و میراث کی کتابوں میں موجود ہے۔ جو شخص معاشیات یا سیاست کو دین سے جدا سمجھتا ہے، اس نے قرآن، وسنت اور فقہ کو سمجھا ہی نہیں۔ اسلام نے قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق دنیاوی اُمور اور زندگی کے معاملات میں اجتہاد کی کھلی اجازت دی ہے۔

ایک اسلامی معاشرے میں حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ سیاسی اور معاشی امور سمیت وہ تمام معاملاتِ زندگی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انجام دے۔ حکومتی قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے ماہرین، فقہا اور علماے کرام سے مدد لے سکتی ہے۔ اسی طرح جدید وسائل اور ٹکنالوجی سے مدد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ خود رسول کریمؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ ”حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے۔ جہاں بھی ملے، مومن اس کو حاصل کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہے“۔

● کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں معاشی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے مستقل طور پر کوئی اقتصادی فورم بنانا چاہیے؟

○ جی ہاں، یہ بالکل درست ہے کہ ہمیں تمام درپیش مسائل اور مشکلات کے حل کے لیے ایک جامع فورم بنانا چاہیے جس میں فقہا، مسلم ماہرین معاشیات اور ان کے ساتھ ساتھ لبرل اور سوشلسٹ نظریات کے حامل افراد بھی شریک ہوں۔ تمام لوگوں کے مطالبات اور نظریات کو زیر بحث لا کر انھیں اسلامی منہج پر پرکھا جائے اور ان کا جامع حل تلاش کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ لبرل لوگوں کو بھی اسلام میں معاشی آزادی کے اصولوں میں اپنے مسائل کا حل نظر دکھائی دے گا۔ اسی طرح اسلام کے اجتماعی کفالت کے نظام میں سوشلسٹوں کو بھی ایسے اصول مل جائیں گے جن میں تمام اہل وطن کو کافی وسائل فراہم کرنے کی ضمانت موجود ہے۔ انھیں نظامِ زکوٰۃ کی یہ حکمت بھی

سمجھنے میں مدد ملے گی کہ: ”تا کہ دولت تمھارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے“ (الحشر ۵۹:۷)۔مشترکات پر اکٹھا ہونے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے کے اصول پر عمل کرنے سے ہمیں زندگی کی بہت سی مشکلات کا حل مل جائے گا۔اب تو خود یورپ کے بعض ممالک بنکوں اور بعض دوسرے اقتصادی معاملات میں اسلامی طریقوں کو استعمال کررہے ہیں تو ہم کیوں ان سے دُور رہیں؟

● آئی ایم ایف سے قرض لینے کے معاملے میں لوگوں کا بہت اختلاف ہے۔ کچھ لوگ اس کی حمایت کرتے ہیں کچھ اسے پسند نہیں کرتے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ہمارے پاس آئی ایم ایف سے قرض کے کیا متبادل راستے ہو سکتے ہیں؟

○ یہ قرض بذات خود تو یقیناً حرام ہے۔اس لیے کہ یہ صریح سودی معاملہ ہے۔اس سے ملک پر مالی بوجھ پڑتا ہے۔اسی طرح عوام پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔کیونکہ اس پر بہت زیادہ سود لازم ہوتا ہے جو نص صریح سے حرام ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اور اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے“۔اسی طرح اس سے ایک عام شہری پر بھی اثر پڑتا ہے۔چیزوں کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور ٹیکس زیادہ ہو جاتا ہے۔لیکن ایک شرعی اصول ہے کہ الضرورات تبیح المحذورات یعنی ناگزیر ضروریات ممنوعات کو ایک حد تک جائز کر دیتی ہیں۔ جب ایک ملک دیکھتا ہے کہ اسے قرض سے بچنے کی بھرپور اور مخلصانہ کوششوں کے باوجود اب کوئی راستہ نہیں مل رہا، تو اس صورت میں یہ قرض مجبُوری کے درجے میں آجائے گا۔لیکن ضرورت بھی ضرورت کی حد تک ہی جائز ہے، اس سے زیادہ حرام ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلامی متبادلات کو بھی فروغ دینا چاہیے،مثلاً قومی پیداوار میں حقیقی اضافے کے لیے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سرمایہ کاری کی جائے۔

مختلف افراد اور اداروں کو بنکوں کے اصل سرمایے یا محنت میں شریک کر کے اصل سرمایے اور محنت کی نسبت سے منافع میں شریک کیا جائے۔افراد اور اداروں میں سے اگر کوئی کسی حصے کا مالک بننا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بتدریج منافع کی شرح کم کرلے تاکہ اس کی سرمایہ کاری میں اضافہ ہو سکے۔منافع کی شرح کے بارے میں بنک اور افراد یا ادارے مقررہ وقت

تک کسی بھی شرح پر اتفاق کر سکتے ہیں۔

حلال متبادلات میں سے ایک زکوٰۃ کے نظام کو فعال بنانا بھی ہے۔اس کے لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے زیرسرپرستی زکوٰۃ کا ادارہ بنائے۔اس کے لیے الگ بجٹ ہو، جس میں بنکوں اور افراد کے مال پر سال مکمل ہونے پر اور نصاب پورا ہونے کی شرط سے زکوٰۃ جمع کی جائے۔ماہرین کے مطابق ہمارے ملک میں اس طریقے سے ۱۸؍ارب مصری پاؤنڈ کی سالانہ رقم فراہم ہوسکتی ہے۔

● کیا اسلام کے معاشی نظام میں ہمارے موجودہ اقتصادی بحران کا حل موجود ہے؟

○ بالکل، اسلام کے معاشی نظام میں نہ صرف مصر بلکہ پوری دنیا کی تمام مادی اور معاشی مشکلات کا حل موجود ہے۔فرانس کے ایک معروف ماہر معاشیات اور معاشیات میں نوبل انعام یافتہ 'موریس آلیاس' کی گواہی کافی ہے۔اس نے ایک رسالے میں لکھا ''اسلام کا معاشی نظام ہمارے زمانے کے لیے سب سے زیادہ مناسب نظام ہے۔اس لیے کہ یہ ٹیکس کو ۲فی صد تک کم کر دیتا ہے اور اس کی بنکاری سود سے پاک ہے''۔

اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ، اوقاف اور صدقات کے نظام کو متحرک کر کے تمام طبقات کے معاشی مسائل یقینی طور پر حل کیے جاسکتے ہیں۔زکوٰۃ کے ذریعے بے سہارا لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والے ایسے افراد کہ جن کے پاس مہارت تو ہے لیکن وسائل نہیں ہیں، انھیں ایسے آلات اور وسائل فراہم کیے جاسکتے ہیں جو انھیں ملکی پیداوار بڑھانے میں مدد دیں۔اگر کسی شہری کے پاس سرمایہ کم ہے تو اسے اسلامی بنکوں کے ذریعے ترقیاتی منصوبوں میں شریک کر کے اس کے سرمایے کی نسبت سے منافع دیا جاسکتا ہے۔بڑے سرمایہ داروں کے لیے بھی یہی طریقہ کار ہونا چاہیے کہ ان کو شیئرز کا مالک بنایا جائے اور تجربہ کار اور ماہر لوگوں کو ان کے تجربے اور مہارت کی مناسبت سے کمپنیوں کے منافع میں شریک کیا جائے۔

میں یقین سے کہتی ہوں کہ زکوٰۃ کے مصارف میں ہمارے تمام اقتصادی مسائل کا حل موجود ہے۔اس کی واضح مثال ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت میں ملتی ہے کہ انھوں نے اپنے دورِ حکومت میں زکوٰۃ کے ذریعے پوری امت کو خودکفیل بنا دیا۔

● اسلامک بانڈ کہاں تک ملکی ترقیاتی پروگراموں کے لیے مددگاراور بیرونی قرضوں کامتبادل بن سکتے ہیں؟

○ اسلامک بانڈ سرمایہ کاری کے لیے نہایت اہم ذریعہ ہیں، جو مقاصد شریعت کے بالکل مطابق ہے کہ کسی چیز کا ضامن اس منافعے کا مستحق ہوتا ہے۔ حکومت ایسے اسلامی بانڈ جاری کرسکتی ہے جن کی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر خرید وفروخت ہو۔ اس طرح سے سرمایہ کاری کے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور بیرونی قرضوں سے بھی نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان بانڈز کے حامل افراد جب چاہیں جہاں چاہیں اپنی مرضی کے منصوبوں پر سرمایہ کاری بھی کر سکتے ہیں۔ جب چاہیں انھیں دوسرے سرمایہ کاروں کو فروخت کر سکتے ہیں۔ کچھ بانڈز رفاہی کاموں کے لیے مخصوص کیے جاسکتے ہیں۔ ان کی حیثیت خیراتی طور پر وقف کی ہوتی ہے۔ ملایشیا نے اسلامی بانڈ جاری کیے جن کی قیمت ۵۴ فی صد اضافے کے ساتھ ۱۳۱ کروڑ ڈالر تک پہنچ گئی۔ اسی طرح متحدہ عرب امارات نے دبئ اسلامی بنک کے ذریعے ایک کروڑ ۵۷ ملین ڈالر کمائے ہیں۔ یہ پیسہ وہ اقتصادی پروگراموں پر اس شرط کے ساتھ خرچ کرتا ہے کہ ان پروگراموں کی کامیابی کی ضمانت دی جائے۔

● یہ توآپ نے اقتصادی مسائل حل کرنے کے لیے ملک اور اداروں کی ذمہ داریاں بتائیں۔ یہ بتائیں کہ حالیہ کٹھن اقتصادی حالات پر قابو پانے کے لیے افراد کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟

○ عوام ایک خاندان کی حیثیت رکھتے ہیں اور ملکی پیداوار کو بڑھانے کے لیے پورے خاندان پر بہت اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ ملکی مصنوعات خریدیں۔ غیرملکی چیزوں کی خریداری پر پابندی لگائی جائے۔ خریداروں کے تحفظ کے لیے بنائی گئی تنظیموں کے ساتھ رابطے رکھیں۔ شکایات کے ازالے کا نظام بہتر بنایا جائے۔ فیکٹریوں اور کمپنیوں میں کام کرنے والے مزدوروں کوسہولتیں دی جائیں تاکہ عوام کے ذوق کے مطابق ان کی پسندیدہ مصنوعات تیار کی جاسکیں۔ تفریحی خریداری کے اعلانات کی نحوست سے بھی بچنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ دھوکا دہی اور فریب سے بھی بچنے کی ضرورت ہے تاکہ کوئی خیالی چیز کا اعلان کر کے خریداروں کو دھوکا نہ دے سکے، اپنی چیز کی موہوم خوبیاں بتا کر عوام کو بے وقوف نہ بنا سکے۔